Tauseeq, Volume. 5, Issue. 1
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v5i1.36

Received: 10-06-2024
Accepted: 15-06-2024
Published: 30-06-2024

وزیر آغا کی آپ بیتی "شام کی منڈیر سے" کا تحقیقی جائزہ

Research review of Wazir Agha's autobiography From “Shaam ki Mundair se”

ڈاکٹر صُہیب *

Abstract:

Dr. Wazir agha is a famous Pakistani Urdu writer and poet. He has written several books of poetry and prose. In this Article, the travelogues discussed in the autobiography of Dr. Wazir agha “shaam ki mundair se” have been analyzed. Moreover, a small introduction of the writer and a precise of his biography have also been written in this Article.

Keywords:

Wazir Khan, Pakistan, Urdu writer, Poet, Books, Poetry, Prose, Travelogues, Autobiography, Shaam ki mundair se, Introduction, Biography.

ڈاکٹر وزیر آغا ہمہ جہت تخلیق کار ہیں۔ انہوں نے ادب کی جس صنف کو بھی چھوا، اسے یادگار بنا دیا۔ یہ بات ان کی آپ بیتی "شام کی منڈیر سے" پر بھی صادق آتی ہے۔ انہوں نے شاعری، تنقید، تالیف اور انشائیہ کے علاوہ دیگر اصنافِ ادب میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور ہر ایک صنف کا حق ادا کر دیا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا سرگودھا کے ایک نواحی گاؤں وزیر کوٹ میں ۸ مئی ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں وزیر کورٹ کے پرائمری سکول سے حاصل کی۔ کالج کی تعلیم جھنگ کے گورنمنٹ انٹر میڈیٹ کالج سے حاصل کی اور بعد میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ وہاں سے بی۔اے کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ان کے

* صدر شعبہ اردو، پشاور ماڈل ڈگری کالج، رنگ روڈ پشاور

مقالے کا موضوع "اُردو ادب میں طنز و مزاح" تھا۔ڈاکٹر وزیر آغا اردو ادب سے وابستہ ان شخصیات میں سے ایک ہیں جو اپنے علم و ادب اور نقد و فن کے باعث موجودہ عہد کے ادبی منظر نامے پر چھائی ہوئی ہیں۔

"شام کی منڈیر سے" ڈاکٹر وزیر آغا کی آپ بیتی ہے جو ۱۹۲۲ء سے ۱۹۸۰ء تک کی ان کی زندگی کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۲۰ء میں ڈاکٹر وزیر آغا ایک ادبی جریدے "ادبی دنیا" میں شریک مدیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں انہوں نے اپنا ذاتی ادبی مجلہ "اوراق" جاری کیا۔ حکومت پاکستان نے ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۸۴ء میں انہیں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی سے بھی نوازا ہے۔

"شام کی منڈیر سے" اردو ادب کی ایک مکمل آپ بیتی ہے جس میں ڈاکٹر وزیر آغا کی نجی زندگی کے حالات اور ادبی زندگی کی تفصیلات رقم ہیں۔ پہلی دفعہ یہ آپ بیتی "مکتبہ فکر و خیال" کے زیرِ اہتمام ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی جو ۲۸۷ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس آپ بیتی کو پانچ ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔ یہ ابواب بندی دراصل ڈاکٹر وزیر آغا کی داستانِ حیات کو ادوار میں تقسیم کرنے کے لیے ہے۔ اس نثری آپ بیتی سے پہلے ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنی زندگی کی کہانی ایک طویل نظم کی صورت میں سنائی تھی جو "آدھی صدی کے بعد" کے عنوان سے کتابی صورت میں موجود ہے۔ "شام کی منڈیر سے" کی وساطت سے ڈاکٹر وزیر آغا اپنی داستانِ حیات ان لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے جو ان کی زندگی اور شخصی حالات سے یکسر بے خبر تھے۔

آپ بیتی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وزیر آغا نے اپنی زندگی ایک بھرپور انداز سے بسر کی ہے اور زندگی کے آخری ایام تک ادبی خدمات میں مصروفِ عمل رہے۔ ان کی اس آپ بیتی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو پہلا حصہ ان کی زندگی کے نجی حالات و واقعات اور دوسرا حصہ ان کے ادبی سفر کی داستان پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں اپنے بچپن کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے دیہی اور شہری زندگی کا تقابل اور تضاد اپنے تجربات اور گہرے مشاہدات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ بچپن اور لڑکپن کا زمانہ، جاگیر دارانہ ماحول کی عکاسی اور اپنے خاندان کا تعارف دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کے تلخ و شیریں واقعات کا بیان قاری کے لیے متاثر کن ہے۔ اپنے خاندانی کاروبار یعنی گھوڑوں کی خرید و فروخت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے دادا کے بھائی کی اچانک موت اور پھر دادا کا بددل ہو کر یہ کاروبار چھوڑ دینے کا ذکر اور یہ بتانا کہ کس طرح اس کاروبار کے چھوڑ دینے سے ان کے معاشی حالات ابتر ہو گئے تھے۔ انگریز گھوڑوں کو پالنے کے لیے زمینداروں میں زمینیں تقسیم کر رہے تھے۔ وزیر آغا کے والد نے بھی درخواست دے دی چونکہ ان کا خاندان پہلے سے ہی گھوڑوں کی افزائش و

نگہداشت کے حوالے سے مشہور تھا اس لیے انہیں سرگودھا کے نواح میں سات سو ایکڑ اراضی گھوڑوں کے ایک فارم بنانے کے لیے الارٹ کر دی گئی۔ عام طور پر ڈاکٹر وزیر آغا کے حوالے سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا خاندان ہمیشہ سے ایک آسودہ اور خوشحال زندگی بسر کر رہا تھا لیکن آپ بیتی کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی زندگی میں غربت، مجبوری، عسرت اور ناہمواری جانے پہچانے الفاظ ہیں لیکن اس سب کے باوجود انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی محنت سے حالات کو آسودہ اور خوشحال بنایا۔

"شام کی منڈیر سے" نہ صرف وزیر آغا کی نجی زندگی کے حالات بیان کرتی ہے بلکہ ان کے ادبی رجحانات اور تخلیقی روئیوں کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ اس آپ بیتی میں ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنے تصانیف کے پسِ منظر میں اپنے ذہنی ارتقا پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب میں وہ بطورِ شاعر، نقاد اور انشائیہ نگار تینوں حیثیتوں سے سامنے آتے ہیں اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آپ بیتی لکھتے وقت وزیر آغا نے اپنی ذات کا اظہار داخلی اور خارجی دونوں سطح پر کیا ہے۔ یہ داخلی طریقہ کار ان کے ذہنی اور فکری ارتقا اور تخلیقی شعور کا پتہ دیتا ہے جبکہ خارجی طریقہ کار سے وہ اپنے عہد کے سیاسی، مذہبی، سماجی، تہذیبی، علمی اور ادبی حالات کا تناظر پیش کرتے ہیں چونکہ وہ ایک دیہاتی ماحول میں پروان چڑھے تھے اس لیے جب انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور دورانِ طالب علمی اور بعد از تعلیم لاہور میں قیام کرنا پڑا تو اس شہری زندگی سے وہ خوش اور مطمئن نہیں تھے اور اس قیامِ لاہور کے دوران انہیں اپنے گاؤں کی یادیں مسلسل ستاتی رہیں۔ شہری زندگی سے اتنے دل برداشتہ ہونے کے باوجود جتنا عرصہ انہوں نے شہر میں گزارا، وہاں کے تمام تقاضوں کو بطریقِ احسن پورا کیا۔ انہوں نے شہری زندگی کے اس کھوکھلے پن اور منافقت کے حوالے سے کسی خاص شخص کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا بلکہ ان اسباب کا کھوج لگانے کی کوشش کی جو اس قسم کے روئیوں کا باعث بنتے ہیں۔ شہری زندگی اور انسانی دماغ کی رفتار کا تجزیہ اور گاؤں کی زندگی کے حوالے سے فطرت کی رفتار کا تجزیہ اس آپ بیتی میں ایک پُر مغز اور فکر انگیز بحث کی صورت میں ملتا ہے۔ وزیر آغا کا یہی طرزِ فکر ان کے شعری اور نثری تصانیف میں بھی نمایاں ہے جس گہرائی اور نکتہ چینی کے ساتھ انہوں نے سائنس، فلسفہ اور فطرت کا علمی اور وجدانی سطح پر تجزیہ کیا ہے وہ ڈاکٹر وزیر آغا کے وسیع اور ہمہ گیر مطالعے کا ثبوت دیتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا آپ بیتی کے آخری حصّے میں رقمطراز ہیں۔

"اوراب شام کی آمد آمد ہے، میں بدستور اپنے گاؤں میں رہ رہا ہوں۔ بہت کم سفر کرتا ہوں۔ لیکن ہمہ وقت حالتِ سفر میں ہوں۔ جب سورج ڈھلتا ہے تو میں چھڑی ہاتھ میں لیے دور کھیتوں میں نکل جاتا ہوں۔ جب میں گاؤں سے نکل رہا ہوتا ہوں تو عین اس وقت پرندے، ڈھور ڈنگر اور کسان رات گزارنے کے لیے گاؤں کی طرف آرہے ہوتے ہیں۔ راستے میں ان سب سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان کے لیے رات سکون اور آرام اور نیند کا دوسرا نام ہے۔ میرے لیے رات، سفر کا ایک استعارہ ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ شام بظاہر دن کی روشنی کا آخری نقطہ ہے مگر یہ رات کی روشنی کا نقطہ آغاز بھی ہے اور میں ایک طویل مسافرت کے بعد اب کہیں اس نقطے پر پہنچا ہوں۔ آج سے تقریباً چونسٹھ ۶۴ برس پہلے جب میں دن کے نقطہ آغاز پر کھڑا تھا تو اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے ارد گرد کا ہوش تک نہیں تھا۔ مگر آج کہ رات کے نقطہ آغاز پر پہنچا ہوں تو دیکھ سکتا ہوں اور یوں اُس گھر سے اسرار کو جو معانی کا گہوارہ اور امکانات کا منبع ہے نہ صرف "سُن" سکتا ہوں بلکہ اُسے "مس" بھی کر سکتا ہوں۔ میں جب اسے دیکھتا ہوں تو اس کے اندر ویسا ہی دھماکا ہوتا ہے جیسا ناموجود کے اندر ہوا تھا اور پھر سارا آسمان مسکراتے ہوئے ستاروں سے آٹ جاتا ہے اور میں ان ستاروں کو اپنے پھیلے ہوئے دامن میں اس طور سمیٹنے لگتا ہوں جیسے گاؤں کی لڑکیاں کپاس چنتی ہیں۔"(۱)

موجودہ زمانے کی صنعتی ترقی اور مادہ پرستی کی چکاچوند کے باوجود انہوں نے انسانی رشتوں کے تقدس اور روئیوں کی پاکیزگی کو اولین ترجیحات میں رکھا ہے۔ شہر کی مصنوعی زندگی نے انسان اور فطرت کے باہمی تعلقات اور رشتوں کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔ وزیر آغا اس آپ بیتی میں ان انسانی رشتوں کی نشو نما کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ فطرت کی ودیعت کردہ ہر چیز سے محبت کرتے ہیں یہاں تک کہ پرندے بھی ان سے مانوس ہو گئے تھے۔

وزیر آغا ایک نئے اندازِ فکر اور فن کے موجد ہیں، وہ رسمی اور روایتی مفاہیم کے تصور کو بدل کر رکھتے ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہر گانوی فرماتے ہیں۔

"وزیر آغا خوبصورتی اور نئے پن کے متلاشی ہیں۔ انہوں نے فن کو حسن کی میزان پر پرکھا ہے اور حسن کو وجدان کے عدل پر تولا ہے۔ انہوں نے عمودی تناظر میں جڑوں کی تلاش کی ہے۔ ثقافتی اور تہذیبی جڑوں کی تلاش میں وزیر آغا نے خود کو اجاگر کیا ہے۔ سوچ کے نئے نئے زاویے ابھارے ہیں۔"(۲)

ڈاکٹر وزیر آغا ایک منجھے ہوئے نثر نگار رہے ہیں۔ ان کی نثر میں تجربے کی پختگی اس وقت آئی جب وہ مولانا صلاح الدین احمد کے ادبی جریدے "ادبی دنیا" سے وابستہ ہوئے اور ہر موڑ پر مولانا صلاح الدین احمد کی رہنمائی انہیں حاصل

رہی۔یہی وجہ ہے کہ جہاں ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنی آپ بیتی میں انور سدید، غلام جیلانی اصغر اور غلام الثقلین نقوی کے خطوط کے اقتباسات نقل کیے ہیں وہاں انہوں نے مولانا صلاح الدین احمد کا تذکرہ بھی کیا ہے اور انہیں اپنا محسن و مربی قرار دیا ہے۔ بعض مقامات پر ڈاکٹر وزیر آغا نے طنز و مزاح سے بھی کام لیا ہے۔ادب کی خدمت کو وہ نہ صرف خود عبادت سمجھتے تھے بلکہ اپنے حلقۂ احباب کو بھی ادب میں مثبت رجحانات کو فروغ دینے کی تلقین کرتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

"میرے لئے "ادبی دنیا" ایک ذی روح کی حیثیت میں ابھر آیا تھا جس کی کشش نے مجھے بے بس کر کے رکھ دیا۔ مگر مولانا اپنی جگہ مجبور تھے۔ "ادبی دنیا" کے لئے سرمایہ کہاں سے لاتے۔ سرمایہ میرے پاس بھی نہیں تھا۔ مگر طلب بہت شدید تھی۔تب ایک روز میں نے اپنے "ذاتی خزانہ" کا نصف حصہ یعنی مبلغ دو ہزار روپے مولانا کی میز پر رکھ دیے اور کہا کہ میری طرف سے "ادبی دنیا" کے لئے یہ ایک حقیر تحفہ ہے۔ مگر مولانا رقم قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ کہنے لگے آپ کے پاس اتنی کم رقم ہے اور پھر چند ماہ کے بعد آپ کو اپنی شادی کے لیے بھی رقم درکار ہو گی۔اس لئے میں اسے قبول نہیں کروں گا۔ مگر میں نے اصرار کیا اور کہا کہ "ادبی دنیا" کا اجراء میرا ایک سہانا خواب ہے۔ آپ اس خواب کے راستے میں مزاحم نہ ہوں۔ بالآخر مولانا مان گئے۔"(۳)

وزیر آغا نے اپنی آپ بیتی میں "حیات نو"، "وزیر آغا آدھی صدی کے بعد"، "میں اور تو"، "بانج"، "بے وفا لے جاؤ اس روشنی کو"، "اندھی کالی رات کا دھبہ"، "دھوپ" اور "پیش گوئی" جیسی مشہور نظموں کے تخلیقی محرکات پر روشنی ڈالی ہے اور ان نظموں کے تناظر میں اپنی زندگی کے مختلف واقعات بھی بیان کیے ہیں۔ان کی مشہور نظم "پیار" کا پہلا اور آخری لفظ پیار ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وزیر آغا پیار کے جذبے کو معاشرے میں فروغ دینا چاہتے تھے۔انہوں نے اس آپ بیتی میں اپنی ہر تصنیف کا پسِ منظر تفصیلاً بیان کیا ہے۔اُن کی تصانیف ان کی زندگی بھر کے تجربات اور فکری سفر کی روداد ہیں۔ زندگی میں آنے والے نشیب و فراز کی وجہ سے پژمردگی اور بالیدگی کی جو کیفیات ان پر گزریں ان کا تجزیاتی اور تقابلی مطالعہ "شام کی منڈیر سے" کو ایک اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے۔ایک کمی جس کا احساس آپ بیتی کا مطالعہ کرتے ہوئے شدت سے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مصنف نے اپنے عہد کی خاطر خواہ عکاسی نہیں کی ہے اور نہ ہی ان کے ہم عصر شاعروں اور ادیبوں کے خاکے ملتے ہیں لیکن اس کمی کے باوجود اسلوبیاتی حوالے سے یہ ایک معیاری آپ بیتی ہے۔

آپ بیتی میں وزیر آغا نے اپنی انگریزی شاعری کے نمونوں کے علاوہ اپنی چند شہرہ آفاق نظموں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"اس زمانے کے لکھے ہوئے اشعار اب مجھے یاد نہیں ہیں۔میں اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں لکھ رہا تھا۔البتہ ایک انگریزی نظم کی یہ چند لائنیں آج بھی یاد ہیں:

DARKNESS FALLS
BRUSHING LIGHT AWAY, SWEEPING DAY ASIDE
I STAND FORLORN NEAR A SILENT TREE
WITH MIND SUBDUED AT LAST
THE WOUND OF MY SOUL IS STILL AJAR
AND THE STARS ARE SHINING GINGERLY!

اردو اشعار بھی اسی وضع کے تھے۔(۴)

یہ آپ بیتی محض ایک شخص کی نجی زندگی کے حالات وواقعات کا مرقع نہیں بلکہ انسانوں کی اجتماعی سوچ کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اس آپ بیتی میں رشتوں کی ناپائیداریاں، صنعتی دور کی منافقتیں، سیاست کی فریب کاریاں، زندگی کی پیچیدگیاں اور پرانی قدروں کا زوال سب کچھ زیرِ بحث لایا گیا ہے۔وزیر آغا کے اسلوب کی خاص بات یہ ہے کہ وہ مشکل موضوعات کو بھی عام فہم زبان میں بیان کرتے ہیں۔آپ بیتی کے ہر باب کا آغاز ایک خوب صورت شعر سے ہوتا ہے۔ علمی پیرائیہ اظہار اور دقیق مباحث کے باوجود عبارت کے حسن میں کمی نہیں ہے اور قاری کسی الجھن کا شکار نہیں ہوتا۔تاہم انگریزی الفاظ کا قدرے زیادہ استعمال ناگوار محسوس ہوتا ہے۔یہ انگریزی الفاظ آپ بیتی میں جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں۔ذیل میں چند ایک درج کیے جاتے ہیں۔

MICROCOSM	EXSISTENCE	TERROR
ASSIGNMENT	GENIUS	CONAVAL SCENCE
RANGE	ENERGY	LANTERNS
MACROCOSM	THIRD GEAR	ABSURD

آپ بیتی میں وزیر آغا نے مختلف مقامات کے لیے کیے ہوئے اسفار کا بیان زیادہ کیا ہے۔ان سفری احوال میں وزیر آغا نے بہترین محاکات اور منظر نگاری کی ہے۔راستوں اور خوب صورت مقامات کی ایسی لفظی تصویریں پیش کی ہیں کہ قاری ان میں کھو جاتا ہے۔مصنف نے جب گھوڑوں کے کاروبار کے سلسلے میں بمبئی اور پونا کا سفر کیا تھا تو اس سفر میں انہوں نے آس پاس کے مناظر جو دورانِ سفر دیکھے تھے اور فطرت کی دلکشی کے حوالے سے لوگوں میں پائی جانے والی غفلت اور بے پروائی پر بات کی ہے۔خود وہ جب بھی پونا یا مری جیسے خوب صورت علاقوں میں وارد ہوتے ہیں تو قدرت کے ان شہکاروں میں محو ہو جاتے ہیں۔وزیر کوٹ سے بمبئی اور پھر پونا کا یہ سفر انہوں نے بذریعہ ریل گاڑی کیا تھا جس کا حال وہ یوں لکھتے ہیں۔

"میں لاہور سے خیبر میل میں سوار ہوا اور سارا عرصہ ریل کی کھڑکی سے لگا، ہندوستان کی دھرتی پر بکھرے ہوئے دیہاتوں، شہروں، پہاڑوں اور جنگلوں کا نظارہ کرتا اور اشعار گنگناتا سفر کرتا چلا گیا۔۔۔۔ بمبئی سٹیشن پر اُترتے ہی میں ایک ہوٹل والے کے ہتھے چڑھ گیا۔۔۔ میں تھکا ہارا تھا اس لیے کھانا کھاتے ہی سو گیا۔۔۔ برسات کے دن تھے۔مجھے بتایا گیا تھا کہ سمندر دیکھنا ہو تو جوہو جا کر دیکھو، سو میں جوہو پہنچا اور دیر تک ساحل کنارے ٹہلتا رہا۔بے شمار عورتیں اور مرد سمندر میں نہار ہے تھے۔۔۔ بمبئی سے میں پونا گیا۔برسات کے دن تھے۔یہ سفر مجھے خواب کی طرح یاد ہے۔سارا علاقہ ایک سبز چادر کی طرح پھیلا ہوا تھا حتیٰ کہ پہاڑیاں تک سبز پوش تھیں۔جا بجا آبشاروں کے مناظر آجاتے تھے۔میں کبھی گاڑی کی ایک کھڑکی

میں جابیٹھتا، کبھی دوسری کھڑکی کے ساتھ چپک جاتا۔ مگر دوسرے مسافر مزے سے بیٹھے اخبار پڑھنے یا گپیں لگانے میں منہمک تھے۔۔۔۔ میں پونا میں ایک ہفتہ ٹھہرا۔ وہاں کے پارس سٹڈ دیکھے اور گھوڑوں کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات حاصل کیں مگر سارا عرصہ میری زیادہ توجہ ارد گرد کے ماحول، فطری نظاروں اور وہاں کے لوگوں کی طرزِ بود و باش اور اس کے پیچھے پھیلی ہوئی تاریخ کی کروٹوں پر مرکوز رہی۔ جی چاہا کہ میں وہاں سے کیرالا اور مدراس تک جاؤں۔ حیدر آباد دکن کی تہذیب کو قریب سے محسوس کروں۔ میں اجنتا اور ایلورا بھی دیکھنا چاہتا تھا مگر جیب تیزی سے خالی ہو رہی تھی۔ چنانچہ میں واپس بمبئی آیا۔ وہاں سے ایسی ٹرین پکڑی جو مجھے براستہ آگرہ، دہلی لے گئی۔ آگرہ میں تاج محل دیکھے بغیر میں واپس نہیں جانا چاہتا اور دہلی میں قطب مینار پر چڑھ کر دہلی کا نظارہ کرنا بھی میرے خوابوں میں شامل تھا۔ یہ سب کچھ ہو گیا تو ایک روز واپس وزیر کوٹ جا پہنچا۔"(۵)

شام کی منڈیر سے "ایک طرف ان مقامات تک لے جاتی ہے جو وزیر آغا کی زندگی کے بدلتے ادوار میں سنگِ میل" کی حیثیت سے شامل ہوتے رہے تو دوسری جانب یہ آپ بیتی وزیر آغا کی نفسیات کی تشکیل و ترتیب میں بھی معاون ثابت ہوتی ہے۔ یقیناً اس کی اشاعت کے بعد جلد بعض ناقدین ان کے بارے میں اپنی آرا پر نظر ثانی کرنے سے نہیں ہچکچائیں گے۔

حوالہ جات

1۔ وزیر آغا، "شام کی منڈیر سے"، مکتبہ فکر و خیال اقبال ٹاون لاہور، دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۲۸۶

2۔ مناظر عاشق ہر گانوی، ڈاکٹر "تنقید کا نیا منظر نامہ اور وزیر آغا" ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۲۰۰۸ء، ص ۷

3۔ وزیر آغا، "شام کی منڈیر سے"، مکتبہ فکر و خیال اقبال ٹاون لاہور، دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۸۲۔۸۳

4۔ ایضاً ص ۴۳

5۔ ایضاً ص ۴۹۔۵۰۔۵۱۔۵۲

References:

1- Wazir Agha, "Sham Ki Mander Se", Maktaba Fikr wa Khayal Iqbal Town, Lahore, December 1986, p. 286

2- Dr. Ashiq Harganvi, Dr. "The New Landscape of Criticism and Wazir Agha" Educational Publishing House, Delhi, 2008, p. 7

3- Wazir Agha, "Sham Ki Mander Se", Maktaba Fikr wa Khayal Iqbal Town Lahore, December 1986, p 82. 83

4- Ibid. p. 43

5. Ibid. pp. 49-50-51-52